© rasailojaraid.com

خالد ہمایوں

''شورش کاشمیری بحیثیت صحافی''......تحقیق کی ایک بری مثال

آغا شورش کاشمیری مرحوم ومغفور(1917ء۔1975ء) پر پی ایچ ڈی کی سطح پر دو تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں: ایک میں ان کی ادبی اور دوسرے میں صحافتی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پہلا مقالہ سردار احمد اور دوسرا وقار چودھری نے لکھا۔سردار احمد مرحوم کا مقالہ ابھی تک پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی زینت بنا ہوا ہے،لیکن وقار چودھری نے اپنا مقالہ حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے شائع کروادیا ہے،صفحات 248 ہیں اور پیشکش دیدہ زیب!

پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب وقار چودھری آج کل ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان (اے پی پی) کے ریجنل ڈائریکٹر (لاہور) ہیں۔انہوں نے مذکورہ مقالہ شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی کے ممتاز استاد جناب ڈاکٹر مسکین علی حجازی کے زیرِنگرانی تحریر کیا تھا۔ڈاکٹر وقار لکھتے ہیں: ''مَیں یہ نہیں کہتا کہ مَیں نے جو کچھ لکھا ہے وہ حرفِ آخر ہے۔ مجھے جو مواد دستیاب ہوااور اصحاب علم وفضل نے مجھے جو کچھ بتایا مَیں نے اپنی آراء اسی پر مبنی کی ہیں۔''(ص 12)

ڈاکٹر وقار نے پیش لفظ میں یہ بھی رقم فرمایا ہے کہ وہ آغا شورش کے بارے میں مواد حاصل کرنے کے لئے دو مرتبہ بھارت گئے اور وہاں کی سات بڑی لائبریریوں سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ اسلام آباد اور لاہور کی چار لائبریریوں تک بھی پہنچے۔پیش لفظ میں دی گئیں ان معلومات سے قاری خاصا مرعوب ہوجاتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ جس تحقیقی کاوش کے لئے مقالہ نگار دو دفعہ بھارت گئے اور 11 لائبریریاں کھنگال ڈالیں۔اُس کا معیار یقیناً بہت بلند ہوگا،لیکن کتاب کے آخری صفحے تک پہنچتے پہنچتے اس کی توقع دم توڑ دیتی ہے۔وہ بڑی سہولت کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کرلیتا ہے کہ مقالہ نگار نے ہفت روزہ ''چٹان'' کا شورش کاشمیری نمبر،آغا صاحب مرحوم کی اپنی اور دو چار دیگر مصنفین کی کتابیں میز پر رکھیں اور قلم سنبھال لیا۔مقالے کے آخر میں جن 17 شخصیات سے انٹرویو کرنے کی اطلاع دی گئی ہے،اس کا مقصد بھی صرف قاری کو مرعوب کرنا ہے،کیونکہ پوری کتاب میں ایک جگہ بھی کسی انٹرویو کا حوالہ نہیں ملتا۔

کتاب کا عنوان ہے:'' شورش کاشمیری بحیثیت صحافی''۔مصنف نے اس حوالے سے صرف دو ابواب رقم فرمائے ہیں:''شورش کاشمیری کی صحافتی زندگی''اور''اُردو صحافت کا ایک اہم باب ہفت روزہ چٹان''،ان 42 صفحات میں ایک تو برصغیر پاک وہند میں صحافت کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔دوسرے آغا صاحب کی صحافت کا صرف ہفت روزہ ''چٹان'' کی حد تک جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں یہی بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ جریدہ ''چٹان'' سولو جرنلزم کی مثال تھا۔سارا پرچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آغا صاحب مختلف قلمی ناموں سے بھر دیتے تھے۔ مذکورہ بالا دونوں ابواب میں چاہئے تھا کہ شورش کی اداریہ نگاری اور ان کی دیگر تحریروں کی زبان کے محاسن پر بھی روشنی ڈالی جاتی، لیکن مصنف نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔ البتہ مختلف ادوار میں رسالے کا سائز کیا رہا، صفحات کتنے رہے اور قیمت کیا رہی وغیرہ پر خوب طبع آزمائی کی ہے۔ مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ آغا صاحب سید حبیب کے اخبار ”سیاست“ اور احرار کے اخبار ”آزاد“ سے بطور ایڈیٹر وابستہ رہے، لیکن مصنف نے اس حوالے سے کوئی ایک تجزیاتی سطر تک نہیں لکھی۔ آغا شورش صحافت اور خطابت میں زبان کے خاص تیور رکھتے تھے۔ ان سے محبت رکھنے والے لوگ ان کی زبان آوری سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان کی تقریریں سنتے اور تحریریں پڑھتے تھے، لیکن آغا صاحب پر تحقیق فرمانے والے جناب وقار چودھری نے مقالے میں جو زبان اختیار کی ہے، آپ اس کے حسن و قبح کا اندازہ ان چند جملوں سے بخوبی لگا سکتے ہیں:

☆ ”تب مسجد کے گنبدوں سے آغا سے آغا شورش کاشمیری زندہ باد کے نعرے گونج اٹھے۔“ (ص:53)

☆ ”دوسری طرف ان راہنماؤں کے خلاف آپ کے دل میں باغیانہ سوچ پیدا ہوتی گئی اور مرتے دم تک آپ نے حق و باطل کا ساتھ دیا۔“ (ص:100)

☆ ”انہیں جو جیب خرچ ملتا، اس سے کتابیں یا رسائل خریدتے اور پلک جھپکتے ہی اسے مکمل ختم کرنے کے لئے پڑھتے جاتے۔“ (ص:101)

☆ ”اور آخر دم تک اپنے قلم کی نوک سے حکمرانوں کے درو دیوار کو آن واحد میں چکنا چور کرتے رہے“۔ (ص:144)

☆ پھر صدر محمد ایوب خان (صدر پاکستان) کی ایوبی آمریت کے خلاف محبِّ وطن سیاسی راہنماؤں کے شریک سفر ہو گئے۔“ (ص:121)

☆ ”مطالعہ اور عمومی حالات نے ہندوستان میں آزادی کے لئے اٹھنے والے ہر کسی کے لئے آغا شورش کاشمیری نے اٹھتا ہوا سمندر پیدا کیا۔ (ص:58)

☆ ”آغا صاحب خود فرماتے ہیں کہ اس دوران جو چیز میں نے حاصل کا وہ تقریر کی ملکہ تھا۔“ (ص:86)

☆ ”اپنی آواز کو ظالموں کے اونچ بنگلوں اور محلوں تک پہنچانا اور ان کی بنیادوں کو ہلانا آغا شورش کاشمیری کا نصب العین تھا۔“ (ص:101)

مصنف محترم نے درست لکھا ہے کہ آغا صاحب کی سیاسی زندگی کا آغاز مسجد شہید گنج کی بازیابی کی تحریک سے ہوا۔ جب ان پر حقائق کھلے تو وہ مولانا ظفر علی خان کی تنظیم مجلس اتحاد ملت سے الگ ہو گئے، لیکن یہ واضح نہیں فرمایا کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقائق کیا تھے کہ جن کے انکشاف کے بعد آغا صاحب بدل ہو گئے۔ڈاکٹر وقار نے اپنی ممدوح شخصیت کے سوانح پر کم و بیش ڈیڑھ سو صفحات لکھے ہیں، لیکن واقعات کے بیان میں حسن ترتیب کو بالکل ملحوظ نہیں رکھا۔آغا صاحب کی قبل از تقسیم کی صحافت سے تو بالکل ہی آنکھیں چرالی ہیں، بعد کے دور پر سوائے قید و بند کے مرحلوں کے اور کچھ نہیں لکھا۔آغا صاحب کے حالات زندگی بہت ادھورے لکھے ہیں، تاریخ وفات تک نہیں لکھی۔تاریخی حالات و واقعات کے بیان میں بھی کئی مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں، مثلاً سرنگا پٹم کے سقوط کی تاریخ 1794ء لکھی ہے، حالانکہ وہ 1799ء ہے۔صفحہ 118 پر قرارداد پاکستان اور قرارداد مقاصد کو گڈمڈ کر دیا ہے۔لکھتے ہیں: ''مسلم لیگ نے پاکستان کے حصول کے لئے بھی اِسی شہر سے قرارداد (مقاصد) پاکستان بھاری اکثریت سے پاس کی۔'' اسی طرح وہ انڈکس اور فہرست کے فرق سے بھی لاعلم ہیں۔(دیکھئے صفحہ 128-127)۔یہ بتا چکنے کے بعد کہ آغا صاحب نے میٹرک کا امتحان 1932ء میں پاس کیا، لکھتے ہیں: ''میٹرک کے بعد آپ نے عملاً سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔انہی دنوں امرتسر شہر میں جلیانوالہ باغ کا افسوس ناک واقعہ رونما ہوا۔'' (ص:104) حالانکہ جلیانوالہ باغ کا سانحہ 1919ء میں پیش آیا تھا۔اس وقت آغا صاحب کی عمر صرف دو سال تھی۔

پیش لفظ میں مصنف نے ذکر کیا ہے کہ ''صحافت، سیاست اور ادب و شاعری کے ڈانڈے ہمیشہ ملتے رہے ہیں۔لہٰذا شورش کاشمیری کی صحافت کے ذکر میں ان کی سیاست اور ادب و شاعری کا ذکر بھی کہیں کہیں آ جاتا ہے، تاہم مفصل ذکر اُن کی صحافت ہی کا ہوا ہے۔'' (ص:11) قاری حیران رہ جاتا ہے کہ کتاب میں آغا صاحب کی صحافت کو صرف 42 صفحات دیئے گئے ہیں۔باقی حصہ سوانح، شاعری اور خطابت کی نذر ہو گیا ہے۔آغا صاحب کی خطابت اور صحافت پر مشاہیر کی آراء 21 صفحات میں درج کی گئی ہیں۔ان میں کسی ''میاں طفیل محمد گکھڑوی'' کی رائے بھی درج ہے، معلوم نہیں وقار صاحب نے یہ کون سا ''مشاہیر'' تلاش کیا ہے؟ کتاب کے آخری 41 صفحات شعراء کے منظوم خراج عقیدت کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔

کتاب کے آخر میں ماخذ کی فہرست میں آغا صاحب سے تین کتابیں منسوب کی گئی ہیں: دیوان شورش، پانچ دریا اور محسن انسانیت، ان کا اشاعتی ادارہ مکتبہ چٹان بتایا گیا ہے۔قارئین اسی سے اندازہ لگالیں کہ آغا شورش کاشمیری ایسی عظیم قومی شخصیت پر کس معیار کا تحقیقی کام ہوا ہے! شاید اسی لئے مصنف نے دیباچے میں یہ انکشاف کرنے سے گریز کیا ہے کہ یہ کتاب دراصل ان کا پی ایچ ڈی مقالہ ہے۔

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com